

تلک الغرانیق کا قصہ

اور

اس کا رد

تحریر: محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

☆یہ کتاب صرف قارئین کے مطالعے کیلئے پیش کی گئی ہے

☆دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤنلوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر واشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆اس کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔ ایسا کرنا اخلاقی، قانونی اور شرعی جرم ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

تلک الغرانیق کا قصہ اور اس کا رد

ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورۃ النجم کی درج ذیل آیات تلاوت فرمائیں:

﴿ اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰی ۝ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی ﴾

کیا تم نے لات اور عُزیٰ کو دیکھا (غور وفکر کیا) ہے اور منات کو جو تیسری ہے؟ (۱۹۔۲۰)

تو شیطان نے آپ ﷺ کی زبان مبارک پر درج ذیل الفاظ جاری کر دیئے:

"تِلْكَ الْغَرانِيقُ الْعُلٰى . وَ شَفاعَتُهُنّ لَتُرتَجى"

یہ بلند و بالا دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت کی اُمید ہے۔

پھر نبی ﷺ نے سجدہ کیا، مسلمانوں نے سجدہ کیا اور مشرکین نے بھی سجدہ کیا۔

یہ قصہ کئی سندوں سے اس مفہوم اور بعض لفظی اختلاف کے ساتھ مروی ہے، جن میں سے چھ (٦) مشہور سندیں درج ذیل ہیں:

١) امام سعید بن جبیر الاسدی الکوفی رحمہ اللہ (ثقہ ثبت فقیہ/مشہور تابعی)

قال ابن جرير :" حدثنا ابن بشار قال :ثنا محمد بن جعفر قال:ثنا شعبة عن أبي بشر عن سعيد بن جبير ... "

(تفسیر ابن جریر الطبری ۸/۲۳۳ ح ۲۵۳۶۲، پرانا نسخہ ج ۱۷ص ۱۳۳)

وقال ابن أبي حاتم :" حدثنا يونس بن حبيب : حدثنا أبو داود :حدثنا شعبة عن أبي بشر عن سعيد بن جبير ... "

(تفسیر ابن کثیر بتحقیق عبدالرزاق المهدی ۴/۴۴۹)

وقال الواحدي :" أخبرنا أبو بكر الحارثي قال : أخبرنا أبو بكر بن حيان قال:أخبرنا أبو يحيى الرازي قال:أخبرنا سهل العسكري قال:أخبرنا يحيى

عن عثمان بن الأسود عن سعيد بن جبير ... "

(اسباب النزول للواحدی ص۲۵۶۔۲۵۷ سورۃ الحج)

قلت: أبو بكر الحارثي هو أحمد بن محمد بن أحمد بن عبد اللّٰه بن الحارث التميمي الأصبهاني النيسابوري (و كان ثقة) و أبو بكر ابن حيان هو أبوالشيخ الأصبهاني و أبو يحيى هو عبد الرحمٰن بن محمد بن سلم الرازي الأصبهاني (مقبول القول توفى ۲۹۰ ھ) و سهل هو ابن عثمان بن فارس العسكري و يحيى لم يتبن لي من هو ؟

و لكن قال الألباني :"قلت هو القطان " (نصب المجانیق ص۷)

سیدنا سعید بن جبیر رحمہ اللہ تک اس مرسل روایت کو سیوطی اور البانی دونوں نے صحیح قرار دیا ہے۔(دیکھئے الدر المنثور ۴/۳۶۶ و قال :" بسند صحيح " نصب المجانیق ص۸ و قال : "مرسل وهو الصحيح ")

☆ ان روایات کی سند سعید بن جبیر تک صحیح ہے۔

۲) امام ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام بن المغیرہ المخزومی المدنی رحمہ اللہ (ثقہ فقیہ عابد/مشہور تابعی، من الثالثۃ: الطبقۃ الوسطیٰ من التابعین)

قال ابن جرير :" حدثنا يونس قال : أخبرنا ابن وهب قال: أخبرني يونس عن ابن شهاب ... قال ابن شهاب : ثني أبو بكر بن عبد الرحمٰن بن الحارث ... " (تفسیر طبری ۸/۲۳۳ ح۲۵۳۶۶، دوسرا نسخہ ۱۷/۱۳۳)

اس روایت کی سند کو ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث تک سیوطی اور البانی دونوں نے صحیح قرار دیا ہے۔ (دیکھئے الدر المنثور ۴/۳۶۷، نصب المجانیق ص۹)

اس روایت کی سند ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث المدنی تک صحیح ہے۔

۳) ابوالعالیہ رفیع بن مہران الریاحی البصری رحمہ اللہ (ثقہ کثیر الارسال/تابعی)

قال ابن جرير : " حدثنا ابن المثنّى قال : ثنا أبو الوليد قال : حدثنا حماد

ابن سلمة عن داود بن أبي هند عن أبی العالية ... "

(تفسیر طبری ۲۳۲/۸ ح ۲۵۳۶۱، دوسرا نسخہ ۱۳۲/۱۷۔۱۳۳)

اس روایت کی سند کو ابوالعالیہ الریاحی تک سیوطی اور البانی دونوں نے صحیح قرار دیا ہے۔ (دیکھئے الدر المنثور ۳۶۷/۴، نصب المجانیق ص ۱۱)

اس روایت کی سند ابوالعالیہ تک صحیح ہے۔

۴) قتادہ بن دعامہ البصری رحمہ اللہ (ثقہ ثبت/مشہور تابعی)

قال ابن جرير :" حدثنا ابن عبد الأعلىٰ قال : ثنا ابن ثور عن معمر عن قتادة ...

(وقال ابن جرير :) حدثنا الحسن قال : أخبرنا عبد الرزاق قال : أخبرنا معمر عن قتادة ... " (تفسیر طبری ۲۳۵/۸ ح ۲۵۳۷۳۔۲۵۳۷۴، دوسرا نسخہ ۱۳۴/۱۷)

یہ روایت تفسیر عبدالرزاق میں بھی موجود ہے۔ (ج ۲ ص ۳۵ ح ۱۹۴۵۔۱۹۴۶)

اس روایت کی قتادہ تک سند کو البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔ (نصب المجانیق ص ۱۲)

☆ اس روایت کی سند قتادہ تک صحیح ہے۔

۵) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (جلیل القدر صحابی)

قال الإمام أحمد بن موسى بن مردويه : " حدثني إبراهيم بن محمد : حدثني أبو بكر محمد بن علي المقرئ البغدادي : ثنا جعفر بن محمد الطيالسي : ثنا إبراهيم بن محمد بن عرعرة : ثنا أبو عاصم النبيل : ثنا عثمان بن الأسود عن سعيد بن جبير عن ابن عباس ... "

(المختارة للضیاء المقدسی ۲۳۴/۱۰۔۲۳۵ ح ۲۴۷، نصب المجانیق ص ۸)

شیخ البانی نے فرمایا: اس سند کے سارے راوی ثقہ ہیں اور تمام کے تمام تہذیب التہذیب کے راویوں میں سے ہیں سوائے ابن عرعرہ سے نیچے والے راوی اور ان میں سے صرف ابوبکر محمد بن علی المقری البغدادی میں نظر ہے...اور یہ مجہول الحال ہے اور یہی اس سند

کی وجہ ٔضعف ہے۔ (نصب المجانیق ص۸۔۹)

یعنی یہ راوی مجہول الحال ہے، لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

دوسری سند: قال الطبراني : " حدثنا الحسين بن إسحاق التستري و عبدان ابن أحمد قالا : ثنا يوسف بن حماد المعني : ثنا أمية بن خالد : ثنا شعبة عن أبي بشر عن سعيد بن جبير لا أعلمه إلا عن ابن عباس ... "

(المعجم الکبیر ۱۲/۵۳ ح ۱۲۴۵۰، ومن طریقہ الضیاء فی المختارۃ ۱۰/۸۹ ح ۸۴)

وقال البزار :" حدثنا يوسف بن حماد قال : نا أمية بن خالد قال :نا شعبة عن أبي بشر عن سعيد بن جبير عن ابن عباس فيما أحسب الشك فى الحديث ... " (البحر الزخار ۱۱/۲۹۶۔۲۹۷ ح ۵۰۹۶ وتکلم بکلامہ، کشف الاستار ۳/۷۲ ح ۲۲۶۳)

یہ سند راوی کے شک کی وجہ سے ضعیف ہے۔

چار مرسل اور دو متصل معمولی ضعف والی ضعیف روایتیں مل کر کل چھ روایتیں ہوئیں اور یہ ساری کی ساری ضعیف ہیں۔

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ یہ روایتیں کثرتِ طرق سے مروی ہیں اور اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اس قصے کی اصل ہے۔ (دیکھئے فتح الباری ۸/۴۳۹ قبل ح ۴۷۴۱)

حافظ ابن حجر نے مزید فرمایا:" فهذه مراسيل يقوي بعضها بعضًا ... "

پس یہ مرسل روایتیں ایک دوسرے کی تقویت کرتی ہیں... (تخریج الکشاف ج ۳ ص ۱۶۵)

جو لوگ خیر القرون کا سنہری زمانہ گزرنے کے بعد **ضعیف + ضعیف + ضعیف = حسن لغیرہ** کا نظریہ وعقیدہ بنائے بیٹھے ہیں، اُن کی شرط پر تلک الغرانیق والا جھوٹا قصہ حسن لغیرہ ضرور بن جاتا ہے، لہٰذا انھیں چاہئے کہ حافظ ابن حجر کی عبارات مذکورہ ومشار الیہا اور اپنے ''حسن لغیری'' اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس قصے کے حسن لغیرہ اور حجت ہونے کا اعلان کر دیں، اس میں شرم یا تقیے کی کیا بات ہے؟ اور اگر وہ اس روایت کو حسن لغیرہ نہیں سمجھتے تو بتائیں کہ روایت حسن لغیرہ کس طرح بن جاتی ہے؟

حق یہ ہے کہ ''حسن لغیرہ'' نام کی خودساختہ (مُوَلَّد) اصطلاح خیر القرون کے کسی ایک بھی صحیح العقیدہ معتدل عالم سے ثابت نہیں، نہ امام بخاری، امام شافعی، امام سفیان بن عیینہ اور امام ابوحاتم الرازی وغیرہم سے ثابت ہے اور نہ کسی دوسرے ثقہ عالم سے، بلکہ ضعیف روایت ضعیف ہی رہتی ہے اِلا یہ کہ اس کی صحیح یا حسن لذاتہ سند ثابت ہو جائے۔

بعض لوگوں میں سے ایک نے امام بیہقی رحمہ اللہ (متساہل) وغیرہ سے ضعیف + ضعیف + ضعیف والی روایت کا حسن لغیرہ قرار دینا اور (مطلقاً) حجیت منسوب کی ہے، لیکن یہ انتساب غلط اور باطل ہے۔

ایک دفعہ امام ابوحاتم الرازی اور امام ابوزرعہ الرازی رحمہما اللہ کے مابین قنوت میں رفع یدین پر بحث ومباحثہ (یا دوسرے لفظوں میں مناظرہ) ہوا۔

امام ابوزرعہ نے تین روایتیں پیش کیں:

۱: لیث بن ابی سلیم کی روایت

۲: ابن لہیعہ کی روایت

۳: عوف کی روایت

امام ابوحاتم نے تینوں روایتوں کے راویوں پر جرح کی اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ صحیح حدیث پیش فرمائی تو امام ابوزرعہ رحمہ اللہ خاموش ہو گئے۔

(دیکھئے تاریخ بغداد ۲/ ۷۶ ت ۴۵۵ وسندہ صحیح)

ثابت ہوا کہ امام ابوحاتم الرازی حسن لغیرہ کو حجت نہیں سمجھتے تھے، ورنہ ابوزرعہ کی پیش کردہ تینوں ضعیف روایتوں (جن کا ضعف شدید نہیں تھا) کو رد نہ کرتے۔!

غالباً یہی وہ موقف ہے جس کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے:

" قلت : يكفي في المناظرة تضعيف الطريق التي أبداها المناظر و ينقطع ، إذا لأصل عدم ما سواها حتى يثبت بطريق أخرى . والله أعلم "

میں (ابن کثیر) نے کہا: مناظرے میں یہ کافی ہے کہ (مخالف) مناظر نے جو سند پیش کی

ہے اُس کا ضعیف ہونا ثابت کر دیا جائے ، وہ (لا جواب ہو کر) چُپ ہو جائے گا کیونکہ اصل یہی ہے کہ دوسری کوئی روایت (اس مناظر کی مؤید) نہیں ہے اِلا یہ کہ دوسری کوئی ثابت سند پیش کر دی جائے۔ واللہ اعلم (اختصار علوم الحدیث ۱/۲۷ ۔ ۲۷۵، اردو مترجم ص ۵۷)

اس اعتراف کے ساتھ کہ حافظ ابن کثیر متاخرین میں سے اور متساہل تھے، ان کے اس قول سے یہی ظاہر ہے کہ حسن لغیرہ حجت نہیں اور امام ابو حاتم الرازی کا مذکورہ واقعہ (اور سلف صالحین کی متعدد تحقیقات جن میں وہ کئی سندوں سے مروی ضعیف روایتوں کو حسن لغیرہ کہنے کے بجائے ضعیف قرار دیتے تھے) سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حافظ ابن کثیر نے دوسری جگہ لکھا ہے:

''بعض ضعف متابعت سے زائل ہو جاتا ہے جیسا کہ راوی سیئ الحفظ (بُرے حافظے والا) ہو یا حدیث مرسل ہو تو اس وقت متابعت فائدہ دیتی ہے اور حدیث ضعف کی گہرائیوں سے بلند ہو کر حسن یا صحیح کے درجے کو پہنچ جاتی ہے۔'' (بحوالہ اختصار علوم الحدیث اردو ص ۲۹)

عرض ہے کہ اس عبارت سے متصل پہلے حافظ ابن کثیر نے کذابین و متروکین کا ذکر کیا ہے، لہٰذا عین ممکن ہے کہ اُن کے نزدیک اگر ایک سند میں کذاب یا متروک راوی ہو (مثلاً سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت) اور دوسری سند حسن یا صحیح عن ابن عمر رضی اللہ عنہ وارد ہو تو اس سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت صحیح نہیں ہو جاتی۔ دوسری طرف ایک سند اگر ضعیف راوی کی وجہ سے ضعیف ہو اور وہی روایت دوسرے صحابی سے حسن یا صحیح سند سے ثابت ہو تو پہلی روایت بھی صحیح ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم

بطورِ مثال عرض ہے کہ حارثہ بن ابی الرجال (ضعیف) کی سند سے دعائے استفتاح: **سبحانك اللّٰهم ... إلخ** مروی ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۸۰۶ عن عائشہ رضی اللہ عنہا)

یہی روایت حسن سند کے ساتھ سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ (ابن ماجہ: ۸۰۴)

لہٰذا ابن کثیر کے اصول پر حارثہ والی روایت بھی حسن بن جاتی ہے اور اگر اس کے خلاف کوئی دوسرا مفہوم بیان کیا جائے تو وہ خیر القرون اور کبار علماء کے موافق نہ ہونے کی

وجہ سے مرجوح ہے۔

حسن روایت پر بحث کرتے ہوئے حافظ ابن حجر نے فرمایا:

" و إذا تقرر ذلك بقي وراء ه أمر آخر . و ذلك أن المصنف وغير واحد نقلوا الاتفاق على / أن الحديث الحسن يحتج به كما يحتج بالصحيح ، وإن كان دونه فی المرتبة . فما المراد على هذا بالحديث الحسن الذي اتفقوا فيه على ذلك هل هو القسم الذي حرره المصنف و قال :ان كلام الخطابي ينزل عليه . وهو رواية الصدوق المشهور بالأمانة ... إلٰى آخر كلامه أو القسم الذي ذكرناه آنفًا عن الترمذي مع مجموع أنواعه التي ذكرنا أمثلتها ، أو ما هو أعم من ذلك ؟ لم أر من تعرض لتحرير هذا . والذي يظهر لي أن دعوى الاتفاق إنما تصح على الأول دون الثاني و عليه أيضًا يتنزل قول المصنف أن كثيرًا من أهل الحديث لا يفرق / بين الصحيح والحسن كالحاكم كما سيأتي و كذا قول المصنف :" ان الحسن إذا جاء من طرق ارتقى إلى الصحة " كما سيأتي إن شاء اللّٰه تعالى. فأما ما حررنا عن الترمذي أنه يطلق عليه اسم الحسن من الضعيف والمنقطع إذا اعتضد، فلا يتجه إطلاق الاتفاق على الاحتجاج به جميعه ولا دعوى الصحة فيه إذا أتى من طرق . ويؤيد هذا قول الخطيب :" أجمع أهل العلم أن الخبر لا يجب قبوله إلا من العاقل الصدوق المأمون على ما يخبر به . " و قد صرح أبو الحسن ابن القطان أحد الحفاظ النقاد من أهل المغرب في كتابه " بيان الوهم والإيهام " بأن هذا القسم لا يحتج به كله بل يعمل به في فضائل الأعمال و يتوقف عن العمل به فی الأحكام إلا إذا كثرت طرقه أو عضده اتصال عمل أو موافقة شاهد صحيح / أو ظاهر القرآن .و هذا حسن قوي رايق ما أظن منصفًا / يأباه واللّٰه الموفق . و يدل/

على أن الحديث إذا وصفه الترمذي بالحسن لا يلزم [عنده] أن يحتج به أنه أخرج حديثًا من طريق خيثمة البصري عن الحسن عن عمران بن حصين - رضي الله تعالى عنه - وقال بعده هذا حديث حسن و ليس إسناده بذاك . وقال في كتاب العلم بعده : أن أخرج حديثًا في فضل العلم :" هذا حديث حسن قال : و إنما لم نقل هذا الحديث : صحيح ، لأنه يقال : ان الأعمش دلس فيه فرواه بعضهم عنه ، قال : حدثت عن أبي صالح عن أبي هريرة - رضي الله عنه " انتهى . فحكم له بالحسن للتردد الواقع فيه و امتنع عن الحكم عليه بالصحة لذلك ، لكن في كل المثالين نظر ، لاحتمال أن يكون سبب تحسينه لهما كونهما جاءا من وجه آخر كما تقدم تقريره.
لكن محل بحثنا هنا هل يلزم من الوصف بالحسن الحكم له بالحجة أم لا؟.
(هذا الذي يتوقف فيه والقلب إلى ما حرره ابن القطان أميل)- والله أعلم"

جب یہ مقرر ہو گیا تو اس کے بعد ایک دوسری بات رہ گئی اور وہ یہ ہے کہ مصنف (ابن الصلاح) اور کئی (علماء) نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ جس طرح صحیح حدیث حجت ہے اسی طرح حسن حدیث (بھی) حجت ہے، اگرچہ وہ مرتبے میں اس سے نیچے ہے۔

جس حسن حدیث (کے حجت ہونے) پر اتفاق ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ کیا وہی قسم ہے جسے مصنف نے تحقیق کر کے لکھا ہے اور فرمایا: خطابی کا کلام اسی پر فٹ ہوتا ہے اور وہ امانت کے ساتھ مشہور صدوق (سچے) راوی کی روایت ہے...الخ یا اس سے مراد وہ قسم ہے جس کا ہم نے ابھی (امام) ترمذی کے حوالے سے ذکر کیا ہے، ان مجموعی اقسام کے ساتھ جنھیں ہم نے مثالوں کے ساتھ ذکر کیا ہے، یا یہ اس سے بھی عام ہے؟

میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس کے بارے میں تحقیق کی طرف توجہ کی ہو اور مجھ پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ (حجیتِ حسن کا) دعویٔ اتفاق صرف پہلی قسم (حسن لذاتہ) پر ہے، دوسری قسم (حسن لغیرہ) پر نہیں ہے اور اسی پر مصنف کا قول فٹ ہوتا ہے کہ بہت سے اہلِ حدیث

مثلاً حاکم (وغیرہ) صحیح اور حسن میں فرق نہیں کرتے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے اور اسی طرح مصنف کا قول: جب حسن روایت کئی سندوں سے آئے تو صحیح کے درجے پر پہنچ جاتی ہے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ

ہم نے ترمذی کی طرف سے جو تحقیق بیان کی کہ وہ ضعیف اور منقطع پر حسن کا حکم لگاتے تھے، جب اس کی تقویت دوسری روایتوں سے ہوتی تھی، لہٰذا (حسن کی) تمام اقسام پر مطلق حجت ہونے کے اتفاق اور کئی سندوں سے آنے والی روایت کے صحیح ہونے کا دعویٰ قابلِ توجہ (یعنی صحیح) نہیں ہے۔ اس کی تائید خطیب (بغدادی) کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ اہلِ علم کا اس پر اجماع ہے کہ صرف اسی روایت کا قبول کرنا واجب ہے جسے عاقل صدوق مامون (یعنی ثقہ وصدوق راوی) نے ہی بیان کیا ہو۔

اہلِ مغرب (مراکش وغیرہ) کے حفاظِ حدیث اور ناقدین میں سے ابوالحسن ابن القطان (الفاسی متوفی ۶۲۸ھ) نے اپنی کتاب: بیان الوہم والایہام میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ قسم کُلی طور پر قابلِ حجت نہیں ہے بلکہ فضائل اعمال میں اس پر عمل کیا جاتا ہے اور احکام میں اس پر عمل کرنے سے توقف کیا جاتا ہے۔ اِلا یہ کہ

۱: اس کی سندیں بہت زیادہ ہوں۔
۲: یا متصل عمل (یعنی متواتر عمل) سے اس کی تائید ہوتی ہو۔
۳: یا صحیح شاہد سے اس کی موافقت ہوتی ہو۔
۴: یا قرآن کا ظاہر (عموم) اس کا مؤید ہو۔

اور یہ اچھا مضبوط (اور) بہترین (کلام) ہے، میں نہیں سمجھتا کہ کسی انصاف پسند کو اس سے انکار ہوگا اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔

اس پر یہ بھی دلالت کرتا ہے کہ جب ترمذی کسی روایت کو حسن قرار دیتے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا تھا کہ وہ اس سے حجت پکڑتے تھے۔ انھوں نے خیثمہ البصری عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث روایت کرنے کے بعد فرمایا: یہ حدیث حسن ہے اور اس کی سند

مضبوط نہیں ہے۔ انھوں نے کتاب العلم میں فضیلتِ علم کی ایک حدیث ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ہم نے اس حدیث کو صحیح نہیں کہا، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ اعمش نے اس میں تدلیس کی ہے، کہا: مجھے ابو صالح کی سند سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی (یہ) حدیث بیان کی گئی ہے۔ انتہیٰ

تردد واقع ہونے کی وجہ سے انھوں نے حسن کا حکم لگا دیا اور اس وجہ سے اسے صحیح کہنے سے رُک گئے لیکن دونوں مثالوں میں نظر ہے، اس احتمال کی وجہ سے کہ ان کی تحسین کا کوئی دوسرا سبب ہو، وہ دوسری سند سے آئی ہو جیسا کہ اس کی بحث گزر چکی ہے، لیکن ہماری یہاں اس تحقیق سے کیا یہ لازم آتا ہے کہ حسن (لغیرہ) روایت کو حجت قرار دیا جائے یا نہیں؟ (یہ وہ بات ہے جس کے بارے میں توقف کیا جاتا ہے اور ابن القطان کی تحقیق کی طرف دل زیادہ مائل ہے) واللہ اعلم (النکت علی ابن الصلاح ۱/۴۰۱۔۴۰۳)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ

۱: حسن لغیرہ پر حافظ ابن حجر سے پہلے کسی نے مفصل بحث نہیں کی۔

۲: حسن لغیرہ کے حجت ہونے پر کوئی اجماع نہیں ہے۔

۳: حسن لذاتہ بالاتفاق حجت ہے۔

۴: حسن لغیرہ کے بارے میں توقف کیا جاتا ہے، لہٰذا یہ احکام وعقائد میں حجت نہیں ہے۔

۵: نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مطلقاً حسن لغیرہ کو حجت نہیں سمجھتے تھے اور اگر ابن القطان سے ان کی نقل صحیح ہے تو ابن القطان بھی اسے مطلقاً حجت نہیں سمجھتے تھے، ورنہ چار شرائط، احکام میں اس کی نفی اور فضائلِ اعمال کی صراحت کا کیا مقصد ہے؟ اگر حسن لغیرہ مطلقاً حجت ہے تو پھر توقف کرنے کیا مطلب ہے؟

یہاں بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ راقم الحروف کو ابن القطان کا مذکورہ قول بیان الوہم والایہام میں نہیں ملا۔ واللہ اعلم

ضعیف + ضعیف + ضعیف = حسن لغیرہ قرار دینے اور اسے حجت سمجھنے والوں کے

لئے تلک الغرانیق کے ضعیف قصے کے بعد چار مزید مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

۱) ترکِ رفع یدین

ا: حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ (بحوالہ ترمذی وغیرہ)

یہ سند سفیان ثوری کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۲: حدیث البراء بن عازب رضی اللہ عنہ (بحوالہ ابوداود وغیرہ)

اس روایت کی دو سندیں ہیں: ایک میں یزید بن ابی زیاد ضعیف ہے اور دوسری میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ضعیف ہے۔

۳: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ (المعجم الکبیر للطبرانی ۱۱/۴۵۲)

یہ روایت عطاء بن السائب کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔

نیز دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات (ج۳ص ۱۲۰۔۱۳۰)

کیا ان روایات کو حسن لغیرہ قرار دے کر حجت پکڑنا جائز ہے؟ یاد رہے کہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے حدیثِ سفیان ثوری کو صحیح قرار دے رکھا ہے۔

۲) من کان له إمام والی حدیث

یعنی: جس کا امام ہو تو امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔

ا: عن عبداللہ بن شداد رحمہ اللہ (مصنف ابن ابی شیبہ بحوالہ ارواء الغلیل ۲/۲۷۲)

یہ سند مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۲: عن جابر رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۳/۳۳۹)

اس سند میں ابوالزبیر مدلس ہیں اور سند عن سے ہے۔

اس کی دوسری سند (سنن دارقطنی ۱/۳۲۳ ح ۱۲۲۰) میں اسحاق الازرق کے استاد کو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

۳: عن رجل من اہل البصرہ (شرح معانی الآثار ۱/۲۱۷)

یہ سند رجل مذکور کے نامعلوم (مجہول) ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

کیا ان روایات کو حسن لغیرہ قرار دے کر ان سے حجت پکڑنا جائز ہے؟

یاد رہے کہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف + ضعیف + ضعیف اور جمع تفریق کے اصول سے روایتِ مذکورہ کو حسن قرار دیا ہے۔ (دیکھئے ارواء الغلیل ۲/۲۶۸ ح ۵۰۰)

۳) مدرکِ رکوع کی رکعت ہو جاتی ہے، کے بارے میں مروی حدیث

۱: حدیث رجل (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۸۹)

اس کی سند میں رجل نامعلوم یعنی مجہول ہے۔

۲: **ابن مغفل (یا) ابن معقل ؟** (مسائل احمد واسحاق بحوالہ الصحیحہ :۱۱۸۸)

یہ روایت مسائل احمد واسحاق میں نہیں ملی اور راوی کے تعین میں نظر ہے۔

۳: عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ (المستدرک للحاکم ۱/۲۱۶، ۲۷۳، ۲۷۴ وصححہ، دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۳۰ ص ۱۲)

اس روایت کی سند میں یحییٰ بن ابی سلیمان جمہور کے نزدیک ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

صحیح ابن خزیمہ (۱۵۹۵) وغیرہ میں اس کی دوسری سند بھی ہے، جس میں قرہ بن عبدالرحمٰن بن حیویل ضعیف ہے۔

۴: حدیث ابی بکرہ رضی اللہ عنہ موقوف (بحوالہ حدیث علی بن حجر ۱/۱۷ فیما بلغنی)

کیا خیال ہے کہ اس روایت کو حسن لغیرہ بنا کر غرباء والے بھائیوں کی طرح یہ سمجھنا صحیح ہے کہ مدرکِ رکوع کی رکعت ہو جاتی ہے؟!

٤) حنفیہ کی طرح دوہری اذان اور دوہری اقامت والی حدیث

۱: عن عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ (مصنف ابن ابی شیبہ بحوالہ آثار السنن: ۲۳۳۰)

یہ سند سلیمان بن مہران الاعمش مدلس کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دوسری سند میں عبداللہ بن محمد مستور ہے۔ (انوار السنن فی تحقیق آثار السنن: ۲۳۵)

تیسری سند (ابوعوانہ ۱/۳۳۱) مرسل یعنی منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۲: عن بلال رضی اللہ عنہ موقوف (آثار السنن: ۲۴۰)

یہ سند ابراہیم نخعی مدلس کے عنعنہ اور حماد بن ابی سلیمان کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔
دوسری سند (معانی الآثار ۱/۱۳۴) میں شریک القاضی مدلس کا عنعنہ ہے۔
تیسری سند میں زیاد بن عبداللہ بن الطفیل ضعیف ہے۔
(دیکھئے سنن دارقطنی ۱/۲۴۲ ح ۹۲۸ و آثار السنن: ۲۴۲)

ان کے علاوہ اور بھی کئی ضعیف روایات ہیں، مثلاً پندرہ شعبان کی فضیلت والی روایات وغیرہا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۵) کیا ان روایات کو حسن لغیرہ قرار دے کر ان پر عمل صحیح ہے؟ حنفیہ، آلِ دیوبند اور آلِ بریلی بھی اہلِ حدیث کی کئی روایات کو حسن لغیرہ قرار دے کر حجت نہیں سمجھتے بلکہ ضعیف قرار دیتے ہیں۔ مثلاً:

۱: جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کی احادیث (حالانکہ یہ احادیث صحیح ہیں)

۲: سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث (حالانکہ سیدنا ہلب الطائی رضی اللہ عنہ کی مسند احمد والی حدیث حسن لذاتہ ہے)

۳: نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی حدیث

☆ عن ام شریک الانصاریہ رضی اللہ عنہا (ابن ماجہ: ۱۴۹۶)
اس کی سند میں حماد بن جعفر ضعیف ہے۔
المعجم الکبیر للطبرانی (۲۵/۹۷ ح ۲۵۲) میں اس کی دوسری سند ہے، جس میں حماد بن بشیر الجہضمی ضعیف ہے۔

☆ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا (المعجم الکبیر ۲۴/۱۶۲ ح ۴۱۳، مجمع الزوائد ۳/۳۲)
اس کی سند میں معلّٰی بن حمران نامعلوم ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد محمد بن حمران القیسی ہو۔ دیکھئے کتاب الثقات لابن حبان (۹/۴۰)

☆ ام عفیف رضی اللہ عنہا (المعجم الکبیر ۲۵/۱۶۹ ح ۴۱۰)
اس کی سند میں عبدالمنعم ابوسعید ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ۳/۳۲)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری) اور سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ وغیرہما کی احادیث بھی

اس کی مؤید ہیں، لیکن دیوبندیہ و بریلویہ کو پھر بھی اس سے انکار ہے۔

۴: جرابوں پر مسح والی حدیث

☆ **عن المغیرۃ بن شعبۃ** رضی اللہ عنہ (سنن ترمذی:۹۹وغیرہ)

اس روایت کی سند صرف اس وجہ سے ضعیف ہے کہ سفیان ثوری مدلس نے عن سے روایت بیان کی ہے اور باقی ہر اعتراض باطل ہے۔

☆ عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ (سنن ابن ماجہ:۵۶۰)

اس کی سند میں عیسی بن سنان ضعیف ہے اور ضحاک بن عبدالرحمٰن کی سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت منقطع ہے۔

☆ عن بلال رضی اللہ عنہ (معجم الطبرانی بحوالہ تحفۃ الاحوذی ۱/۱۰۱)

اس کی سند میں ابو معاویہ، اعمش اور حکم بن عتیبہ تینوں مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے۔ دوسری سند میں یزید بن ابی زیاد ضعیف ہے۔

صحابۂ کرام کا اتفاق (اجماع) بھی جرابوں پر مسح کی تائید کرتا ہے مگر دیوبندیہ و بریلویہ کو احادیث مذکورہ سے انکار ہے اور وہ انھیں حسن لغیرہ قرار دے کر حجت نہیں سمجھتے۔ ایمان و عقائد کا مسئلہ ہو یا اصول و احکام کا، ہمیشہ اپنے تسلیم کردہ اصول و قواعد پر عمل کرنا چاہئے، دوغلی پالیسی اور منافقت سے ہر وقت بچنا چاہئے ورنہ پھر جس دن رب العالمین کے دربار میں پیش ہوں گے، اس دن کیا جواب ہوگا؟

کیا صحیح اور حسن لذاتہ روایات تھوڑی ہیں کہ بعض لوگ ضعیف + ضعیف + ضعیف کر کے ضعیف روایات کو قابلِ حجت باور کرانے پر مصر ہیں؟!

آخر میں چند اہم باتیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: صحیح حدیث کی طرح حسن لذاتہ بھی حجت اور معیارِ حق ہے۔

۲: ہر وہ حدیث حسن لذاتہ ہے، جس میں درج ذیل پانچ شرائط موجود ہوں:

(۱) ہر راوی موثق عند الجمہور یعنی جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق حسن الحدیث ہو

(۲) سند متصل ہو (۳) شاذ نہ ہو (۴) معلول نہ ہو (۵) خاص سند پر محدثین کی متفقہ جرح نہ ہو یعنی راوی کا وہم وخطا ثابت نہ ہو۔

۳: حسن لغیرہ کی وہ قسم مقبول ہے، جس میں ایک سند (مثلاً سنن ابی داود کی روایت) ضعیف ہو اور دوسری (مثلاً ترمذی کی روایت) حسن لذاتہ ہو۔

۴: ضعیف + ضعیف والی روایت کو حسن لغیرہ بنا کر حجت سمجھنا غلط ہے، بلکہ حق یہی ہے کہ ضعیف ضعیف ہوتی ہے، اِلا یہ کہ صحیح یا حسن لذاتہ سند سے ثابت ہو جائے۔

۵: جس شخص کو ہمارے اس موقف سے اختلاف ہے تو وہ پہلے حسن لغیرہ کی تعریف بیان کرے، پھر ہماری طرح (یا کم از کم تین) مثالیں پیش کر کے ثابت کرے کے یہ روایات حجت ہیں۔

۶: ہمارے اس مضمون کا مکمل جواب دے اور ہر قسم کی دوغلی پالیسی سے کُلی اجتناب کرے۔ (۱۲/فروری ۲۰۱۱ء)

اگر پاؤں سو جائے تو.....؟

عبدالرحمٰن بن سعد سے مروی ہے کہ (سیدنا) ابن عمر (رضی اللہ عنہ) کا پاؤں سو گیا تو ایک آدمی نے اُن سے کہا: آپ اپنے نزدیک سب سے محبوب انسان کو یاد کریں، تو انھوں نے فرمایا: ''یا محمد!'' اے محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] (الادب المفرد للامام البخاری: ۹۶۴، مسند علی بن الجعد ۲/ ۹۱۷ ح ۲۶۳۳، طبقات ابن سعد ۴/ ۱۵۴، عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی بتحقیق سلیم الہلالی: ۱۶۹)

اس روایت میں ابو اسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی مشہور مدلس راوی ہیں۔ (دیکھئے طبقات المدلسین لابن حجر: ۹۱ طبقہ ثالثہ) اور یہ روایت عن سے ہے۔

اصول حدیث کا مشہور مسئلہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتابوں میں مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

(مثلاً دیکھئے کتاب الرسالۃ للامام الشافعی: ۱۰۳۵، اور الکفایۃ للخطیب ص ۳۶۱)

ثابت ہوا کہ یہ روایت ضعیف و مردود ہے، لہٰذا اس سے استدلال جائز نہیں ہے۔

ہمارے فیس بک پیجز لائیک کریں!

www.facebook.com/DaeefHadiths

www.facebook.com/AhlulHadithWalAthar

www.facebook.com/MuhaddithZubair

www.facebook.com/SahihMadaniPhool